بدلتی دنیا کے تقاضے اور فکرِ اقبال

ڈاکٹر عابدہ بتول

ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، ایف سی کالج لاہور

دنیا جس قدر تیزی سے ترقی کی منازل طے کر رہی ہے، یقین نہیں آتا غاروں میں رہنے والا، دیگر جنگلی حیات اور پھلوں پر گزارا کرنے والا، کچا گوشت کھانے اور پتھر پہ پتھر رگڑ کر آگ کے بڑے بڑے الائو روشن کر کے خود کو محفوظ رکھنے کی کاوش کرنے والا انسان زمینی مسائل و حقائق، تفکرات اور ابلاغی الجھنوں سے نکل کر ستاروں پہ کمندیں ڈالنے خودی کا عرفان حاصل کرنے، فلسفہ کون و مکاں اور تجربات لامکاں کی منزل کا مسافر ہو سکتا ہے۔فکر اور فکرِ اقبال دو فرق چیزیں ہیں۔بدلتی دنیا کے تقاضوں میں عصری حقائق اور زمینی گردشیں، فکر کو غم روزگار کے پہیے میں گردش کرنے اور پھر وقت کے اندھے کنویں میں دھکیلے جانے کی بے انجام جستجو کا نام ہے۔جب کہ فکرِ اقبال وقت کے دھندلے آئینے میں اپنے غیر مرئی عکس کو روبرو دیکھنے، اپنے من میں ڈوب کر سراغ زندگی پانے، اپنا بننے اور متاعِ مومن کے حصول کا نام ہے۔فکرِ اقبال کا ایک دوسرا پہلو علم کے موتی اور اپنے آبا کی کتابیں غنی کاشمیری کے اسی شعر کے تناظر میں تلاشنے کا عمل ہے جسے اقبال نے خود خطاب بہ جوانانِ اسلام کا حصہ بناتے ہوئے اپنی گفتگو کو یوں اختتام کیا ہے۔

؎غنی روزِ سیاہِ پیرِ کنعاں وا تماشا کن

کہ نورِ دیدہ اش روشن کند چشمِ زلیخا را

علامہ اقبال نے اپنے فکر و فلسفہ میں نوجوان اور خصوصاً مسلمان نوجوانوں کو یہ پیغام دیا ہے کہ وہ اپنی صلاحیتیں اور قابلیتیں استعمال کریں۔جس طرح حالات و واقعات بدلتے ہیں اسی طرح فکری تقاضے اور ضرورتیں بھی تبدیل ہوتی ہیں۔فی زمانہ علمی، فکری، ادبی اور سائنسی لحاظ سے انسانی ذہن کہاں سے کہاں تک پہنچ گیا ہے۔لیکن ذہنی گھٹن کے مالک لوگ کسی طرح کے علم سے بھی استفادہ نہیں کرتے۔وہ ہمیشہ ماضی سے جڑے رہتے ہیں۔لیکن اقبال نے انسان کو علمی اور فکری لحاظ سے ترقی کی منازل طے کرنے کے لیے اپنے افکار میں جا بجا تلقین کی ہے۔

؎کبھی اے نوجوانِ مسلم تدبر بھی کیا تُو نے

وہ کیا گردوں تھا تُو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا

تجھے اُس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبت میں

کچل ڈالا تھا جس نے پائوں میں تاجِ سردارا

تجھے آبا سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی

کہ تُو گفتار وہ کردار تو ثابت وہ سہارا

اقبال کا دور بھی دورِ معیشت تھا۔اس کی سب سے پہلے کتاب علم القتصاد ہے جو انھوں نے تقریباً تیس بتیس سال کی عمر میں لکھی اور جو ان کی فلسفیانہ سوچ کی عکاسی کرتی ہے۔

؎تدبر کی فسوں کاری سے محکم ہو نہیں سکتا

جہاں میں جس تمدن کی بنا سرمایہ داری ہے

اقبال کی نظر میں جو علم القتصاد لکھی گئی تو وہ اس دور کی بہت بڑی ضرورت کو پورا کرتی نظر آتی ہے۔اقبال سرمائے کے زور پر محنت کشوں کے استحصال کا مخالف ہے اور نوع انسانی میں عدل و مساوات اور قدیم آدمیت کی بات کرتا ہے۔چند سرمایہ دار قوتوں کے اجتماع سے پست اقدام پر جو اثرات مرتب ہوتے ہیں ایسی جمعیت سازی کے خلاف اقبال کہتا ہے کہ

؎جمعیت اقوام یا جمعیت آدم

یعنی وہ انسان کو بطور انسان باعث تکریم بنانے کی آرزو رکھتا ہے اور انسانی صلاحیتوں کو برومند کرنے کے لیے وہ معاشرے پر زور دیتا ہے کہ اس کے اندر عدل کا قیام لازم کیا جائے۔اس کے درج ذیل شعر میں ان کی فکر نمایاں نظر آتی ہے۔

؎قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے

دہر میں اسمِ محمدؐ سے اُجالا کر دے

ایک جگہ اقبال کہتے ہیں کہ

کس نا باشد در جہاں محتاجِ کس

نکتہ شرعِ مبیں ایں است و بس

یہاں اقبال کسی رنگ، نسل یا مسلک کی بات نہیں کر رہا بلکہ پوری دنیا میں چاہتا ہے کہ کوئی انسان کسی دوسرے انسان کا محتاج نہ ہو۔وہ شریعت کی جس تعبیر کو مانتا ہے اس کے مطابق اس شرع مبیں کا نکتہ صرف یہ ہے۔وہ انسان کی تخلیقی قوتوں کو نوع انسانی کی نفع بخشی کے لیے استعمال کرنے کی آرزو رکھتا ہے اور برملا عالم گیر طور پر وہ چاہتا ہے کہ ایجادات جو انسانی معاشرے کی نسل بخشی میں کلیدی کردار ادا کرتی ہے۔اسے بطور نصب العین اپنایا جائے کیوں کہ جو قومیں ایجادات کے سفر میں پیچھے رہ جاتی ہیں وہ معیشت میں اور معاشرت کے سفر میں پیچھے رہ جاتی ہیں۔

ہے عالم ایجاد میں جو صاحبِ ایجاد

ہر دور میں کرتا ہے طواف اس کا زمانہ

یہی وجہ ہے کہ اقبال نے بالِ جبریل میں جو جبریل اور ابلیس کے درمیان مکالمہ کروایا ہے وہ انسانی دنیا اور ملائکہ کی دنیا کے فرق کو بیان کرنے میں نہایت اہمیت رکھتا ہے۔اس میں جبریل ابلیس سے کہتا ہے کہ

ہم دم دیرینہ کیسا ہے جہانِ رنگ و بو

ابلیس جبریل کو بتایا ہے کہ

سوز و ساز و درد و داغ و جستجو و آرزو

یہ جہان رنگ و بو یعنی انسانی معاشرے میں یہ چیزیں ہمیں جس سے ملائکہ کی دنیا خالی ہے اس پر پھر جبریل ابلیس سے کہتا ہے۔

ہر گھڑی افلاک پر رہتی ہے تیری گفتگو

کیا نہیں ممکن کہ تیرا چاک دامن ہو رفو

اس پر ابلیس جواب دیتا ہے کہ

آہ جبریل تو واقف نہیں اس راز سے

کر گیا سرمست مجھ کو ٹوٹ کر میرا سبو

اب یہاں میری گزر ممکن نہیں ممکن نہیں

کس قدر خاموش ہے یہ عالم بے کاخ و کو!

کھو دیئے انکار سے تو نے مقامات بلند

چشم یزداں میں فرشتوں کی رہی کیا آبرو

ابلیس رزم خیر و شر اور انسانی دنیا اور ملائکہ کی دنیا میں فرق بتاتے ہوئے کہتا ہے تو ابلیس پھر جبریل کو بتایا ہے کہ مشت خاک میں جو ذوق نمو ہے وہ میری جرأت کی وجہ سے ہے اور میرے فتنے جامہ عقل و فرد کا تانا بانا ہیں۔تُو فقط ساحل سے رزم خیر و شر دیکھتا ہے لیکن طوفان کے طمانچے کون کھا رہا ہے۔ میں کہ تُو! پھر اسے مزید کہتا ہے کہ اگر کبھی تمھیں خلوت میسر ہو تو اللہ سے پوچھنا کہ قصہ آدم کو کس کا لہو رنگین کر گیا ہے اور آخر میں کہتا ہے

میں کھٹکتا ہوں دل یزداں میں کانٹے کی طرح

تو فقط اللہ پر، اللہ ہو، اللہ ہو

اقبال نے اس نظم میں رزم خیر و شر کے متعلق ابلیس کی اہمیت، ابلیس کی زبانی بیان کی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ اگر انسان کے اندر بدی کرنے کی طاقت نہ ہو اسے نیکی کا بھی صلہ نہیں مل سکتا۔

قدرت نے اپنی حکمت سے اس کائنات میں صرف انسان کو ایسی قوتیں ودیعت کیں ہیں جس کے ذریعے وہ کائناتی قوانین کو دریافت کر سکتا ہے اور پھر ان قوتوں کو اپنے کام میں لا سکتا ہے۔۔قدرت نے انسان کو جن صلاحیتوں سے سرفراز کیا ہے اقبال ایک دوسری جگہ کہتا ہے کہ اشیائے کائنات انسان کا انتظار کر رہی ہیں کہ انسان قدرت کی بخشی قوتوں کو کام میں لا کر انھیں تسخیر کرے اور انسانی نفع بخشی کے لیے انھیں استعمال کرے۔اقبال کہتا ہے

ہر منتظر تیری یلغار کا

تیری شوخی فکر و کردار کا

معرکہء خیر و شر انسانی دنیا کا وہ عالمگیر معرکہ ہے جس سے نبرد آزما ہونے کے لیے تمام مفکرین اپنے اپنے انداز سے حصہ لے رہے ہیں۔اقبال بھی انہی عالم گیر دانشوروں کی صف میں ایک نمایاں مقام حاصل چکا ہے اور نوعِ انسانی کی نفع بخشی کے لیے اور انسان پر انسان کے ظلم و ستم سے نجات پانے کے لیے اپنی نظم و نثر کے حوالے سے نہایت اہم افکار پیش کیے

ہیں۔ان کی اردو شاعری میں ابلیس کی مجلس شوریٰ کے عنوان سے جو نظم ارمغان حجاز میں شامل ہے جسے انھوں نے ۱۹۳۶ء میں سپرد قلم کیا تھا، نہایت فکر انگیز اور عالم گیر سیاست پر ان کے افکار کی ترجمان ہے۔ابلیس اور اس کے پانچ مشیروں کی نمائندگی پر مشتمل اس نظم میں ظالم اور مظلوم، نادار اور منعم کے درمیان کشمکش فرنگی کی ملوکیت اور مسجد و دیر و کلیسائی کی فسوں کاریوں کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے اسے اردو شاعری میں ایک نمایاں مقام حاصل ہے۔ابلیس اپنے مشیروں کو خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے

میں نے دکھلایا فرنگی کو ملوکیت کا خواب

میں نے توڑا مسجد و دیر و کلیسا کا فسوں

میں نے ناداروں کا سکھلایا سبق تقدیر کا

میں نے منعم کو دیا سرمایہ داری کا جنوں

اس کے بعد ابلیس کے تمام مشیر اسے اپنی اپنی رپورٹ پیش کرتے ہیں۔ان تمام رپورٹس کو سامنے رکھتے ہوئے ابلیس اپنے مشیروں سے خطاب کرتا ہے اور کہتا ہے کہ

ہے میرے دست تصرف میں جہانِ رنگ و بو

کیا زمیں، کیا مہر و مہ کیا آسمانِ تو بتو

کیا امامان سیاست، کیا کلیسا کے شیوخ

سب کو دیوانہ بنا سکتی ہے میری ایک ہو

ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اس امت سے ہے

جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرار آرزو

جانتا ہوں میں یہ امت حاصل قراں نہیں

ہے وہی سرمایہ داری بندہ مومن کاریں

عصر حاضر کے تقاضوں سے ہے لیکن یہ خوف

ہو نہ جائے آشکارا شرع پیغمبر کہیں

اس سے بڑھ کر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب

بادشاہوں کی نہیں اللہ کی ہے یہ زمیں

یہاں اقبال نے شرع پیغمبر کے آشکارا ہونے کی جو بات کی ہے اس شرع مبین کا نکتہ صرف یہ ہے کہ کوئی انسان کسی دوسرے انسان کا محتاج نہ رہے اور قدرت کی بخشی ہوئی نعمتیں اور اس کے بے شمار خزانے جو اس نے نوع انسانی کے لیے تخلیق کیے ہیں وہ سب کو میسر آئیں اور پروردگار کی عالم گیر ربوبیت کا عملی نظارہ پوری انسانی دنیا دیکھ لے اور پروردگار کے نور سے یہ زمین جگمگا اٹھے۔

اقبال بطور ایک مفکر پوری دنیا میں رنگ و نسل و مذہب سے بالا ہو کر تمام انسانوںکو قدرت کی نعمتوں سے یکساں مستفید ہونے اور انسانی صلاحیتوں کے مشہود کرنے کی آرزو رکھتا ہے۔

زمانہ حاضر کے انسان کی تگ و دو اور اس کے نتائج پر اس نے جو کچھ کہا ہے اس کا نچوڑ ضربِ کلیم کے درج ذیل اشعار میں پوشیدہ ہے۔جس پر غور کرنے کی ضرورت آج پہلے سے بھی زیادہ ہے۔

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزرگاہوں کا

اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا

اپنی حکمت کے خم و پیچ میں الجھا ایسا

آج تک فیصلہ نفع و ضرر کر نہ سکا

جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا

زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا!

☆☆☆